JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 02, January –June 2021

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

سابقہ صحفِ سماویہ سے اخذ واستدلال میں "تفہیم القرآن" کا منہج واسلوب

The Methodology of Reasoning and Derivation from the Previous Divine Books in "Tafhīm ul Qur'ān"

Dr. Muhammad Khubaib*
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur,
Dr. Muhammad Afzal**
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī (1903-1979) belongs to a time when Christian missionaries, under the wings of the British rule of the subcontinent, were desperately trying to persuade and compel the Muslim community to convert to Christianity. They were working hard on the agenda to cast doubts on the ideology and beliefs of Muslims. Syed Maudūdī wrote the commentary of Qur'ān "Tafhīm ul Qur'ān" not only for Muslims to adhere to their beliefs but also to invite Christians to Islam in which he dispelled their objections and doubts by arguing from their own holy books. By comparing the Qur'ān and the previous holy books in great detail, he proved that the Qur'ānic traditions are not derived from the teachings of the Jews and Christians, but present their correct form. He has not only refuted the doctrines of Trinity, Sonship and Atonement with strong arguments but also clarified the Qur'ānic supremacy. In this research paper, Syed Maudūdī's Tafhīm ul Qur'ān will explain the style and methodology of reasoning from the previous heavenly books. As a result, dubious minds will be able to adhere to Islamic beliefs and Christians will be able to come closer to Islam.

Keywords: *Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, Tafhīm ul Qur'ān, Qur'ānic supremacy, Previous heavenly books, Comparison.*

تمہید

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء) کا خاندان نویں صدی ہجری میں ہندوستان میں سکونت پزیر ہوا۔[1] سید مودودیؒ کا سلسلہ نسب چالیس واسطوں سے سیدنا علیؓ سے جا ملتا ہے۔[2] مولاناؒ نے اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں استعداد پیدا کی اور سترہ سال

CC BY

کی عمر میں صحافت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ آپؒ روزنامہ مدینہ (بجنور)، ہفت روزہ تاج، روزنامہ الجمعیۃ اور ماہنامہ ترجمان القرآن کی ادارت سے منسلک رہے۔ اگست ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی وجود میں آئی، جس کے آپؒ پہلے امیر منتخب ہوئے۔ تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان آگئے اور سیاست میں شریک ہو کر آئین کو اسلامیانہ بنانے کے لیے کوشاں رہے۔[3] آپؒ نے تفہیم القرآن کے علاوہ تقریباً پچپن کتب تحریر فرمائیں۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۷۴ء تک آپ نے لندن، ٹورنٹو، نیو یارک، جدہ، مدینہ، مکہ، قاہرہ، کویت، دمشق، رباط اور عمان کا سفر کیا اور بین الاقوامی شہرت یافتہ مراکز میں دروس دیے اور عالمی کانفرنسوں میں شرکت فرمائی۔ ۱۹۵۹ اور ۱۹۶۰ میں قرآنی مقامات کی جغرافیائی صورتِ حال کے مشاہدہ کے لیے شام، مصر، یروشلم، اردن اور سعودی عرب کا مطالعاتی دورہ کیا۔ آپ مدینہ یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل، رابطہ عالم اسلامی فاؤنڈیشن کمیٹی اور اکیڈمی آف ریسرچ آن اسلامک لاء مدینہ کے رکن رہے۔ آپ کی تصانیف کا عربی، انگریزی، فارسی، ترکی، بنگالی، جرمن، فرانسیسی، ہندی، جاپانی، سواحلی، تامل، تیلگو سمیت ۲۲ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ سعودی عرب، سوڈان، مصر سمیت کئی ممالک میں سید مودودی کی کتابیں نصابِ تعلیم کا حصہ ہیں۔

تفہیم القرآن ۱۹۷۲ء سے اب تک مرکزی مکتبہ اسلامی چتلی قبر دہلی، لاہور سے سروسز بک کلب، مکتبہ تعمیر انسانیت اور ادارہ ترجمان القرآن سے چھ جلدوں میں کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ پہلی جلد کے شروع میں تفہیم القرآن کے مقاصد پر مشتمل دیباچہ اور مقدمہ درج ہے اور ہر جلد کے شروع میں مضامین اور نقشہ جات کی فہرست دی گئی ہے۔۔ ہر سورۃ کے شروع میں سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ، زمانہ نزول اور مرکزی موضوع و مضمون بیان کیے گئے ہیں۔ ہر صفحے کی ابتداء میں عربی متن اور اس کے نیچے سلیس اندازِ بیان میں ترجمہ پیش کیا گیا ہے اور باقی صفحہ پر نمبر وار حواشی درج ہیں اور نئی سورۃ سے نیا حواشی نمبر شروع ہو جاتا ہے۔ اور ہر جلد کے آخر میں "فہرست موضوعات" کے نام سے اشاریہ درج ہے۔

مولانا تفسیر لکھنے کا مقصد بتاتے ہیں کہ مَیں عرصہ دراز سے دیکھ رہا ہوں کہ عام پڑھے لکھے لوگوں میں قرآن کے حقیقی مدعا اور روح تک پہنچنے کی طلب بڑھ رہی ہے لیکن موجودہ تراجم و تفاسیر قابلِ قدر ہونے کے باوجود اس تشنگی کو بجھانے کے لیے ناکافی ہیں۔ اسی احساس نے مجھے مجبور کیا کہ مَیں تفسیر لکھوں۔[4] میں نے یہ تفسیر عربی تفسیری ذخیرے سے استفادہ نہ کر سکنے والے درمیانے درجے کے پڑھے لکھے لوگوں کی ضروریات کو مدِّ نظر رکھ کر لکھی ہے۔[5] میرے پیشِ نظر علما نہیں بلکہ نئی نسل تھی جسے قرآن کی دعوت سے روشناس کرانا میرا مقصد تھا۔"[6] مولانا تفہیم القرآن میں دعوتی اسلوب سے فکری اصلاح کرتے ہیں۔ سیاسی، معاشرتی اور معاشی اصول و قواعد کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ انہوں نے سودی نظام، سرمایہ دارانہ نظام، اشتراکیت اور ملحدانہ تہذیب، ختم نبوت، انکار حدیث، مادی تعبیرات، سامراجیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ ڈارون سے لے کر فرائڈ تک اور ہیگل سے لے کر مارکس تک تمام کا محاسبہ کیا۔ تفہیم القرآن نے ہر فتنے اور گمراہی کا پوری قوت استدلال کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور لاجواب ناقدانہ تجزیہ و تحلیل کے ذریعے اس کا تار و پود بکھیرا ہے۔ تفہیم القرآن عصر جدید کی نظریاتی اور فکری بنیادوں کے لیے ایک ایسا چیلنج بن گئی ہے جس کا کوئی مثبت جواب مغربی اور الحادی فلسفہ و فکر اور نام نہاد سائنسی تعقل کے پاس نہیں ہے۔[7]

سید مودودیؒ نے یہ تفسیر اس وقت لکھی جب مسیحی مبشرین ہندوستان پر قابض برٹش حکومت کی آشیر باد پر ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد وافکار میں تشکیک کے بیج بو چکے تھے۔ سید مودودیؒ نے اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں مسیحی اہل قلم اور مستشرقین کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کا انہیں کی کتب سے رد کیا، قرآن اور بائبل میں فرق واضح کر کے حق ثابت کیا اور بائبل کے تحریف و تبدل کو واضح کیا جائے۔ مسلم اہلِ تشکیک کو اسلامی عقائد پر دلجمی کا وافر مواد فراہم کیا اور اہلِ مسیح کو دعوتِ اسلام دی۔

سید مودودیؒ کی سابقہ صحف کے متن سے گہری واقفیت سے متعلق ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں کہ سید مرحوم نے اہل کتاب کے مآخذ سے تاریخی اور عقائدی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ تقابل ادیان کے طالب علم کے لئے تفہیم میں اتنا مواد موجود ہے جو اسے کئی ماخذ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہودیوں کی نسل پرستی، عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث، کفارہ اور مصلوبیت مسیح ایسے موضوعات ہیں جن پر محققانہ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔[8]

مولانا عامر عثمانی اسی تناظر میں لکھتے ہیں کہ :

> تفہیم القرآن پڑھنے والا دیگر آسمانی کتب کے بعض ایسے مضامین سے آگاہ ہو جاتا ہے جن کی آگہی کسی اور ذریعے سے خاصی دشوار تھی۔[9]

ڈاکٹر چارلس جے ایڈمز کہتے ہیں:

> اس تقابلی مطالعے نے سید مودودی کی تفسیر کو جدید اقدار سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔[10]

سابقہ صحف سماویہ سے متعلق سید مودودیؒ کا نقطہ نظر

مولانا موجودہ تورات کے متعلق اپنے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے آیت مبارکہ "نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ"[11] کے تحت لکھتے ہیں کہ تورات عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتب نہیں بلکہ ان کے اندر بکھری ہوئی تعلیمات کی شکل میں موجود ہے۔ ایسے ہی انجیل عہد'' نامہ جدید میں شامل انجیل کا نام نہیں بلکہ ان اناجیل کے اندر موجود ہے۔ تورات وہ احکامات ہیں جو بعثت کے بعد حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئے۔ اب دراصل تورات ان منتشر جزئیات کا نام ہے جو موسیٰؑ کی سیرت میں موجود ہیں۔ سیرتِ موسوی میں مندرج ''موسیٰؑ نے یہ فرمایا، یا خداوند نے موسیٰؑ سے یوں کہا وغیرہ'' سے تورات کی پہچان کی جس سکتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے حضرت مسیحؑ کی سیرت پر رسالے لکھے تو ان رسائل میں وہ احکامات وفرامین بھی مندرج ہیں جو اللہ نے حضرت مسیحؑ کو مبعوث کرنے کے بعد ان پر نازل فرمائے۔ جہاں مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا، یا مسیح نے یہ تعلیم دی تو یہ انجیل کے وہ اجزاء ہیں جن کو قرآن نے انجیل کہہ کر پکارا ہے اور وہ اسی انجیل کی تصدیق کرتا ہے۔ ان بکھرے ہوئے اجزاء کو کوئی اکٹھا کر کے قرآن سے تقابل کر کے دیکھے تو دونوں کی تعلیمات میں بہت کم فرق پائے گا۔[12]

فرمانِ الٰہی "وَ آتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوْرًا"[13] کے تحت زبور کے متعلق لکھتے ہیں کہ موجودہ بائبل میں موجود ساری کی ساری زبور داؤد نہیں ہے اس میں بہت سے مزامیر دیگر لوگوں کے بھی بھر دیے گئے ہیں اور وہ اپنے اپنے مصنفین کی طرف منسوب ہیں۔ البتہ جن مزامیر پر

تصریح ہے کہ وہ حضرت داوٗدؑ کے ہیں ان کے اندر حقیقت میں کلام حق محسوس ہوتا ہے۔اسی طرح بائبل میں امثالِ سلیمانؑ میں بھی اچھی خاصی امیزش ہے اور اس کے آخری دو باب تو صریح الحاقی ہیں لیکن پھر بھی ان امثال میں کلام الٰہی کی رمق محسوس ہوتی ہے۔[14]

مولانا دوسرے انبیاء کے صحائف کے متعلق لکھتے ہیں کہ بائبل میں انبیاءِ بنی اسرائیل کے صحائف مندرج ہیں جن کا بیشتر حصہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً یسعیاہ، یرمیاہ، حزقی ایل، عاموس اور بعض دوسرے صحیفوں میں تو بکثرت مقام ایسے آتے ہیں جنہیں پڑھ کر روح وجد میں آجاتی ہے۔ان میں کلامِ الہامی کی شان صریح طور پر محسوس ہوتی ہے۔ان کی اخلاقی تعلیم، شرک کے خلاف جہاد، توحید میں زور استدلال اور بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال پر سخت تنقیدیں پڑھتے وقت آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اناجیل میں مسیحؑ کی تقریریں، قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی چشمے سے نکلی ہوئی سوتیں ہیں۔[15]

صحیفۂ حزقی ایل کے متعلق لکھتے ہیں کہ بائبل کا صحیفہ حزقی ایل ان صحیفوں میں سے ہے جنہیں پڑھ کر حقیقتاً ادراک ہوتا ہے کہ یہ کلامِ الہامی ہے۔[16]

بائبل کی کتب میں جزوی تحریف کے باوجود الہامی تعلیمات موجود ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

لیکن اس کے باوجود کوئی شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان میں بعینہ اس توحیدِ خالص کی طرف بلایا گیا ہے جو قرآنی دعوت کا مقصود ہے۔اسی طرح انہیں عقائد اور طرزِ زندگی کی طرف بلایا گیا ہے جن کی طرف قرآن ہدایت کرتا ہے۔[17]

بائبل میں تحریف و تبدل کے متعلق مولانا آیت کریمہ "وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ" [18] کے تحت لکھتے ہیں کہ "تحریف" سے مراد قائل کی منشا کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی خواہش کے معنی پہنا دینا ہے، نیز الفاظ میں تغیر کرنے کو بھی تحریف کہتے ہیں۔ علماء بنی اسرائیل نے یہ دونوں تحریفیں کلام الٰہی میں کی ہیں۔[19]

آیت کریمہ "فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا"[20] کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ الٰہی کلام کے مفاہیم کو اپنی منشا سے بدل دیا، بلکہ یہ بھی کیا کہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو، قومی تاریخ کو، گمانات و قیاسات کو، خیالی فلسفوں کو اور اجتہادی فقہی قوانین کو کلام الٰہی کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور یہ تمام چیزیں اس حیثیت سے پیش کیں کہ گویا یہ سب منزل من اللہ ہی ہیں۔ ہر تاریخی افسانہ، مفسر کی تاویل، متکلم کا الٰہیاتی عقیدہ اور فقیہ کا قانونی اجتہاد، جس نے کتب مقدسہ کے مجموعے (بائبل) میں جگہ بنالی، اللہ کا قول (Word of God) بن کر رہ گیا۔اس پر ایمان لانا لازم ہو گیا اور اس سے پھرنے کے معنی دین سے پھر جانے کے ہوگئے۔[21]

مولانا تحریف و تبدل پر سفرِ ایوب سے امثلہ دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ کتاب خود بتلا رہی ہے کہ یہ خدائی کلام ہے نہ حضرت ایوبؑ کا بلکہ یہ حضرت ایوبؑ کے عرصے کا بھی نہیں ہے۔۔۔ کتب مقدسہ کے مجموعے میں ایک صحیفۂ سماوی کی حیثیت سے اسے جگہ دینے کے کوئی معنی نہیں۔[22]

عذاب تسعہ کی کتاب خروج سے تفصیل ذکر کرنے کے بعد مولانا بیان کرتے ہیں کہ بائبل کی کتاب خروج میں بھی ان عذابوں کی مفصل روداد درج ہے مگر وہ گپ اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔[23]

مولانا بائبل کے ساتھ ساتھ تلمود سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ اور بیگم عزیز مصر کا قصہ بائبل سے ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

یہ تو ہے بائبل کی روایت۔ رہی تلمود، تو اس کا بیان کہ فوطیفار نے جب اپنی بیوی سے یہ شکایت سنی تو اس نے یوسف کو خوب پٹوایا۔۔۔ قرآن کی روایت تلمود کی روایت سے زیادہ قرین قیاس ہے۔[24]

دوسرے مقام پر بیگم عزیز مصر کی اپنی سہیلیوں کی مجلس بلانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ بائبل میں اس ضیافت کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ تلمود میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے مگر وہ قرآن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ قرآنی بیان میں جو روح، فطریت اور اخلاقیت ہے، تلمود کا بیان اس سے بالکل خالی ہے۔[25]

حضرت ابراہیمؑ کے عراقی دور کی تفصیلات میں لکھتے ہیں کہ تلمود میں البتہ سیرت ابراہیمی کے عراقی دور کی وہ بیشتر تفصیلات ملتی ہیں جو قرآن نے کئی مقامات پر ذکر کی ہیں لیکن اکثر تلمودی بیانات بے جوڑ اور خلافِ قیاس ہیں جو ایک آدمی عام طور پر محسوس کر سکتا ہے۔[26]

قرآن کا مآخذ "سابقہ صحفِ سماویہ" کی سابقہ صحفِ سمایہ سے ہی تردید

مستشرقین کا قرآن پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ قرآن سابقہ صحفِ سماویہ اور دوسری یہودی روایات سے ماخوذ ہے۔ مولانا نے اس اعتراض کا کئی طرح سے جواب دیا ہے جو پوری تفسیر میں بکھرا ہوا ہے۔ مولانا ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کا بائبل، تلمود اور دوسری اسرائیلی روایات میں کتنا فرق ہے۔ قرآن ان کتب سے کیسے ماخوذ ہو سکتا ہے۔ مولانا تقابل کر کے واضح کرتے ہیں کہ اہل عقل و خرد خود تجزیہ کریں کہ قرآن ان کتب سے کیسے ماخوذ ہو سکتا ہے۔ چند ایک امثلہ ملاحظہ ہوں۔

مولانا قصہ آدم و ابلیس کا بائبل سے تقابل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> بائبل کے اس بیان کو قرآن سے تقابل کر کے دیکھیں جو یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے کہ قرآن میں یہ قصص بنی اسرائیل سے نقل کر لیے گئے ہیں۔[27]

سیرتِ ابراہیمی کے عراقی دور کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

> تلمود کا بیان بے جوڑ اور خلاف عقل ہے۔۔۔ ہم یہاں تلمودی تفصیل کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جسے دیکھ کر ان لوگوں کے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے جو کہتے ہیں کہ قرآن کا مصدر و منبع بائبل اور یہودی لٹریچر ہے اس داستاں کو دیکھ کر کوئی معقول آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ قرآن کی مآخذ ہو سکتی ہیں۔[28]

سید مودودیؒ آیتِ مبارکہ "وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ"[29] کے تحت حضرت موسیٰؑ کے سفر مدین کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ مصر سے حبشہ چلے گئے۔ وہاں بادشاہ کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی سے شادی کر لی اور تخت سنبھال کر چالیس برس برسر اقتدار رہے۔۔۔ یہ قصہ نہایت من گھڑت ہے۔ اس قصہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ سیر (شمالی عراق) پر

حبشہ کی حکومت تھی اور اسیر یا والوں کی بغاوتیں کچلنے کے لئے ان پر چڑھائی کی تھی، حالانکہ تاریخ اس ذکر سے خالی ہے کہ حبشہ کو ان پر تسلط ملا ہو یا ان میں تسلط کی طاقت رہی ہو۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا علم اپنی ہی تاریخ سے متعلق کتنا ناقص تھا اور قرآن ان کی غلطیوں کی تصحیح کر کے صحیح واقعات کیسی منقح صورت میں پیش کرتا ہے لیکن عیسائی اور یہودی مستشرقین کو یہ کہتے ذرا شرم نہیں آتی کہ قرآن نے یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے ہیں۔[30]

آیتِ کریمہ "قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ"[31] کے تحت حضرت موسیٰؑ کی شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ بنی اسرائیل کی اپنے جلیل القدر پیغمبر، قومی ہیرو اور محسن پر تلمود کا بیان ملاحظہ کریں:

موسیٰ رعویل کے پاس رہنے لگے اور وہ اپنے میزبان کی بیٹی صفورہ پر نظر عنایت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ موسیٰ نے صفورہ سے بیاہ کر لیا۔

ایک اور یہودی روایت جو جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بیان ہے یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے یتھرو کو اپنی داستاں سنائی تو وہ سمجھ گیا کہ یہی آدمی فرعون کی تباہی کا سبب بنے گا۔اس نے فرعون سے انعام و کرام وصولنے کے لالچ میں اسے اپنے تہہ خانے میں قید کر لیا۔اس کی بیٹی زفورا (صفورہ) سے کنویں پر ملاقات ہو چکی تھی تو وہ قید خانے میں کچھ نا کچھ کھانا پانی پہنچاتی رہی۔ ان ملاقاتوں میں دونوں کے درمیان شادی تک کے وعدے ہو چکے تھے۔ قید و بند کو سات یا دس سال بیت چکنے کے بعد زفورا نے اپنے والد سے عرض کی کہ اتنے عرصے سے آپ نے قیدی کی کوئی خبر گیری نہیں کی۔ وہ تو مر گیا ہو گا لیکن اگر وہ زندہ ہے تو وہ ضرور کوئی خدا رسیدہ شخص ہو گا۔ یتھرو قید خانے گیا تو موسیٰ کو زندہ دیکھ کر اسے یقین آگیا کہ وہ معجزے سے زندہ ہے۔ تب یتھرو نے زفورا کی ان سے شادی کر دی۔[32] پھر لکھتے ہیں کہ جو مغربی مستشرقین قرآنی قصوں کے ماخذ ڈھونڈتے پھرتے ہیں انہیں کہیں یہ کھلا فرق بھی نظر آتا ہے جو قرآن کے بیان اور اسرائیلی روایات میں پایا جاتا ہے؟[33]

حضرت موسیٰؑ کو منصب نبوت پر سرفراز کرنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ بائبل کا بیان ہے کہ جب اللہ نے موسیٰؑ سے قوم بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلانے کے لیے فرعون کے پاس بھیجنے کی بات کی تو موسیٰ نے کہا کہ میں کون ہوتا ہوں جو یہ کام کروں؟ خدا کے بہت کچھ سمجھانے، ڈھارس بندانے اور معجزے عطا کرنے کے باوجود موسیٰ نے کہا کہ اے خدایا! میری منت ہے کہ یہ کام کسی اور سے لے لے۔[34] تلمود نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اللہ اور موسیٰ کے درمیان سات روز تک بات چیت چلنے کے باوجود اللہ نے موسیٰ کے انکار پر ان سے ناراض ہو کر ان کی رسالت میں ہارون کو شریک کر دیا اور منصبِ کہانت بھی اولادِ ہارون میں منتقل کر دی۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ کتابیں ہیں جن کے متعلق بے شرم لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان سے یہ قصے نقل کر لیے گئے ہیں۔[35]

مولانا اس بات کا رد کرتے ہوئے کہ قرآن کا ماخذ بائبل اور دوسری یہودی روایات ہیں، ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ قرآن ان روایات کی تصحیح کرتا ہے۔ مولانا حضرت سلیمان علیہ السلام اور چیونٹیوں کے واقعے کے متعلق یہودی روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> اس سے اندازہ ہوا کہ قرآن کیسے بنی اسرائیل کی غلط روایات کی تصحیح کرتا ہے اور انہوں کی خود اپنے پیغمبروں کی سیرتوں پر ڈالی ہوئیں گندگیوں کو صاف کرتا ہے۔ ان روایات کے متعلق مغربی مستشرقین بے شرمی کے ساتھ کہتے ہیں کہ قرآن نے سب کچھ ان کی کتب سے سرقہ کر لیا ہے۔[36]

اسی طرح سید مودودیؒ حضرت یوسف علیہ السلام اور بیگم عزیز مصر کے واقعہ کا قرآن، بائبل اور تلمود میں فرق بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> قرآن اور اسرائیلی روایات کے اس فرق سے مغربی مستشرقین کے جھوٹے الزام کی قلعی کھل جاتی ہے کہ محمدؐ نے یہ قصص بنی اسرائیل سے نقل کر لیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے اصلاح شدہ اصل قصص دنیا کے سامنے پیش کیے ہیں۔[37]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو دریاؤں کے سنگم کی طرف سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مستشرقینِ مغرب نے قرآن مجید کے اس قصہ کے بھی ماخذ کا کھوج لگانے کی سعی کی اور تین واقعات پر انگلی رکھ دی کہ یہ ہیں وہ مقام جہاں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کر کے یہ قصہ بنا لیا اور پھر کہہ دیا کہ یہ تو میرے اوپر بذریعہ وحی نازل ہوا ہے۔ ایک داستانِ گلگا میش، دوسرے سکندر نامۂ سُریانی اور تیسرے وہ یہودی روایت جس کا ابھی اوپر ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ بدطینت تحقیق کے نام پر پہلے سے طے کر لیتے ہیں اسے منزل من اللہ قبول نہیں کرنا اور قرآنی مضامین و معلومات سے متعلق کھینچ تان کر قلابے ملانے ہیں کہ یہ معلومات فلاں فلاں مقام سے چرائی ہوئی ہیں۔ ایسی تحقیق اور علم پر گھن کھاتے ہوئے مجبوراً لعنت کرنی پڑ رہی ہے۔ کوئی طالب علم ان کی متعصبانہ افتراپردازیوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے صرف چار باتوں کا جواب طلب کرے:

1. قرآنی بیان سے ملتا جلتا بیان چند سابقہ کتب میں موجود پا کر کس دلیل کی بنا رآپ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ یہ بیان لازماً انہیں کتب سے ماخوذ ہے۔
2. قرآنی قصص اور بیانات کے مآخذ سے متعلق مختلف زبانوں پر مشتمل جتنی کتب ذکر کر دی جاتی ہیں، کیا اتنا بڑا مکتبہ اور مواد کی فراہمی کے لیے مختلف زبانوں کے مترجمین مکہ میں موجود تھے؟
3. کفار مکہ، یہودی اور عیسائی اس تلاش میں تھے کہ محمدؐ یہ مضامین کہاں سے لاتے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے معاصرین کو اس سرتے کا پتہ نہ چلنے کی کیا وجہ ہے؟ قرآن کے منزل من اللہ اور مآخذ صرف وحی ہونے کی بار بار تحدی نے معاصر دشمنانِ اسلام کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی، وہ قرآن کے کسی اور مآخذ کی نشاندہی نہ کر سکے۔ سوال یہ ہے کہ معاصرین اس سراغ رسانی میں ناکام کیوں ہوئے اور ہزار بارہ سو برس کے بعد آج معاندین کو اس میں کیسے کامیابی نصیب ہو رہی ہے؟
4. قرآن کے منزل من اللہ ہونے اور افسانوی شکل اختیار کر جانے والے مسخ شدہ سابقہ تاریخی قصص کی تصحیح شدہ شکل پیش کرنے کے قرآنی امکان کو کس معقول دلیل سے خارج از تحقیق قرار دیا گیا اور موضوع تحقیق صرف یہی بنایا گیا کہ قرآنی بیانات اور قصص پہلے سے موجود زبانی قصوں اور افسانوں سے ہی ماخوذ ہیں۔ کیا مذہبی تعصب و عناد کے علاوہ اس ترجیح کی کوئی معقول دلیل ہے؟

ان سوالوں پر جو بھی تدبر کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہ سکے گا کہ مستشرقین نے "علم" کے نام پر جو کچھ پیش کیا ہے وہ درحقیقت کسی سنجیدہ طالبعلم کے لئے قابل یقین نہیں ہے۔[38]

مستشرقین کے اعتراضات کی سابقہ صحفِ سماویہ سے تردید

مولانا نے تفسیر میں یہ اسلوب اختیار کیا کہ نوجوان نسل کے ذہن و قلوب میں جو شکوک و شبہات اور الجھنیں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا جائزہ لے کر جوابات مہیا کیے جائیں کیونکہ مولانا نے یہ تفسیر پڑھے لکھے لوگوں کے لئے لکھی ہے اس لئے ایسے لوگوں کے لیے ایسے ہی اسلوب و منہج کی تفسیر کی ضرورت ہے۔ مولانا اس ضرورت کو پورا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ملا واحدی لکھتے ہیں:

مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن نے تہذیب جدید کے پیدا کردہ شکوک و شبہات رفع کرنے میں حصہ ہی نہیں لیا، کامیابی بھی حاصل کی۔

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی فرماتے ہیں:

> میں ضروری سمجھتا ہوں کہ نوجوانان عزیز کو تفہیم القرآن پڑھنے کا مشورہ دوں۔ میری رائے میں ہماری نوجوان نسل کا فکری مشکلات اور ذہنی الجھنوں کا حل مضبوط علمی استدلال اور بات سمجھنے کے درست و سہل اسلوب میں ہے۔[39]

چند ایک امثلہ ملاحظہ کریں:

سورۃ الصفت کی آیات ۱۳۹ تا ۱۴۶ تک حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے نگل جانے اور پھر زندہ و سلامت باہر نکل آنے کے متعلق شکوک و شبہات اور اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس موقع پر عقلیت کے کئی دعوے دار یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں جا کر کسی شخص کا زندہ نکل آنا غیر ممکن ہے لیکن پچھلی ہی صدی کے آخر میں عقلیت کے گڑھ انگلستان کے سواحل سے قریب ایک واقعہ پیش آ چکا ہے جو ایسے دعوے داروں کی تردید کر دیتا ہے۔ اگست ۱۸۹۱ء میں ایک جہاز (Star of the Bast) پر کچھ مچھیرے وہیل کے شکار کیلئے گہرے سمندر میں گئے۔ وہاں انہوں نے ایک بیس فٹ لمبی، پانچ فٹ چوڑی اور سو ٹن وزنی بہت بڑی مچھلی کو سخت زخمی کر دیا۔ وہ مچھلی تو نہ پکڑ سکے مگر جیمز بارٹلے نامی ایک مچھیرے کو اس کے ساتھیوں کی آنکھوں کے سامنے مچھلی نے نگل لیا۔ ان مچھیروں کو یہی مچھلی اگلے دن مردہ حالت میں ملی۔ طویل جدوجہد سے یہ مچھیرے اسے جہاز پر رکھنے اور پیٹ چاک کرنے میں کامیاب ہوئے تو ان کا ساتھی طویل وقت مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہتے ہوئے برآمد ہوا۔ (اردو ڈائجسٹ، فروری ۱۹۶۴ء)۔ یہاں غور طلب بات ہے کہ معمولی حالت میں ایسا ممکن ہے تو غیر معمولی حالت میں معجزانہ طور پر ایسا ہونا کیوں ممکن نہیں؟[40]

اسی طرح مولانا آیت "وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ"[41] کی وضاحت کرتے ہوئے مستشرقین کے اعتراض کا رد کرتے ہیں کہ یہ تاریخی بیان میں سے ہے جہاں عیسائی مشنریوں اور خصوصاً مغربی مستشرقین نے قرآن پر حرف گیری کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ معاذ اللہ قرآن کے مصنف کی جہالت کا صریح ثبوت ہے، اس لئے کہ دولتِ اسرائیل کا دار السلطنت "سامریہ" اس واقعہ کے کئی صدی بعد ۹۲۵ ق۔م کے قریب زمانے میں تعمیر ہوا۔ پھر اس کے بھی کئی صدیوں بعد

> اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کی وہ مخلوط نسل پیدا ہوئی جو "سامریوں" کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ان سامریوں میں دیگر شرکیہ بدعات کے ساتھ ساتھ سنہری بچھڑے کی پرستش کے رواج کی یہودیوں کے ذریعہ سے محمدؐ نے خبر پا کر اس کا تعلق عہدِ موسیٰ سے جوڑ دیا اور یہ قصہ تصنیف کر دیا کہ وہاں سنہری بچھڑے کی پرستش رائج کرنے والا ایک سامری آدمی تھا۔[42]

اس اعتراض کا تجزیاتی جائزہ لیتے کہتے ہیں کہ مدعیانِ علم و تحقیق کا گمان ہے کہ شائد قدیم زمانہ میں ایک نام سے دو اشخاص یا قبائل ہونے ناممکن تھے۔ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کے دور میں عراق اور اس کے گردونواح علاقوں پر چھائی ہوئی سمیری قدیم تاریخ کی مشہور قوم تھی۔ اس سمیری قوم کے افراد کا دورِ موسوی میں مصر میں سامری کہلانے کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ بعد ادوار میں شمالی فلسطین کے لوگوں کی سامری کہلانے کی اصل بائبل میں یوں بیان ہے کہ مملکت اسرائیل کے بادشاہ عمری نے ایک آدمی "سمر" سے پہاڑ خرید کر اپنا دارالسلطنت تعمیر کیا جسے بعد میں مالک کے نام پر شہر کا نام "سامریہ" رکھا گیا۔[43] لہٰذا سلطنتِ سامریہ کے وجود میں آنے سے پہلے سمر نام کے لوگوں کے ہونے سے سامری نسل یا قبیلہ اور سامریہ مقام کا ہونا کم از کم ممکن تھا۔[44]

قرآن مجید میں بیان مقاماتِ مقدسہ کی تحدید میں سابقہ صحف ساویہ سے استدلال

مولانا نے ایک اہم تفسیری منہج یہ اپنایا کہ قرآن مجید میں بیان کردہ مقامات کو بچشم خود دیکھنا ضروری سمجھا۔ مولانا کے رفیق سفر محمد عاصم نے وہ تمام نقشہ جات اور تفصیلات جو انہوں نے دوران سفر حاصل کیں، ایک کتاب "سفر نامہ ارض القرآن' میں شائع کیں۔ اس سفر میں اگرچہ وہ کو ان تمام ممالک کی حکومتوں کا تعاون حاصل رہا، جہاں کا انہوں نے سفر کیا لیکن اس کے باوجود بعض مقامات پر ایسی دشواریاں پیش آئیں کہ اگر تائید ایزدی شامل حال نہ ہوتی تو شرکاء سفر میں سے کسی کا بھی وجود باقی نہ رہتا بلکہ کوئی اس نقصان عظیم کی اطلاع دینے والا بھی نہ ہوتا۔[45]

جناب ثروت صولت فرماتے ہیں:

> سید مودودیؒ نے مشرق وسطیٰ کا دوسرا سفر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء میں اس وقت کیا جب پاکستان میں مارشل لاء لگا ہوا تھا۔ وہ تین نومبر ۱۹۵۹ء کو کراچی سے روانہ ہوئے اور پانچ فروری ۱۹۶۰ء کو واپس آ گئے۔ یہ ان کا تحقیقی سفر تھا جس کے دوران انہوں نے سعودی عرب، اردن فلسطین، شام اور مصر کے ان آثار کا مشاہدہ کیا جن کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے۔[46]

سید مودودیؒ کا یہ تین ماہ پر مشتمل سفر تھا جس میں انہوں نے وسیع معلومات حاصل کیں۔ سابقہ قوموں کے حالات و واقعات، قیام گاہوں اور عذاب کے اثرات کی جزئیات کی طرف رہنمائی حاصل کی۔ وہاں سے وہ نادر تصاویر اور نایاب نقشہ جات لائے اور یہ سب انہوں نے اپنی تفسیر کا حصہ بنایا، جس سے واقعات کا پس منظر، واقعات کا محل وقوع واضح کیا اور بنی اسرائیل کے واقعات اور مقامات کے متعلق مغربی مصنفین اور مستشرقین کے جھوٹے پول کھولے۔

تفہیم القرآن کی درج ذیل عبارت ملاحظہ کریں۔ یہ صرف وہی لکھ سکتا ہے جس نے ان علاقوں کا خود مشاہدہ کیا ہو۔ مولانا آیت "وَوَاعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً"[47] کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اس ارشاد کی تعمیل میں کوہ سینا جاتے وقت بنی اسرائیل کو

اس جگہ چھوڑا تھا جو موجودہ نقشہ میں نبی صالح اور کوہ سینا کے درمیان وادی الشیخ کے نام سے ہے۔ بنی اسرائیل کا پڑاؤ کیے جانے والا علاقہ آج کل میدان الرحہ کہلاتا ہے۔اس وادی کی ایک طرف وہ پہاڑی ہے جس پر حضرت صالحؑ علاقہ ثمود سے ہجرت کر کے تشریف لائے تھے، جہاں آج ان کی یاد میں ایک مسجد تعمیر ہے۔ دوسری طرف وہ جبل ہارون نامی پہاڑی ہے جہاں حضرت ہارونؑ گوسالہ پرست بنی اسرائیل سے ناراض ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ تیسری طرف ۷۳۵۹ فٹ بلند کوہِ سینا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے چلہ کاٹنے کی جگہ کوہِ سینا کی چوٹی آج تک زیارت گاہِ عام بنی ہوئی ہے جس کے قریب ایک مسجد اور گرجا موجود ہے۔اس پہاڑ کے دامن میں رومی قیصر جسٹنین کے زمانہ کی ایک خانقاہ آج تک موجود ہے۔[48] جس پر یونانی کلیسا (Greek Orthodox Church) کے راہبوں کا قبضہ ہے۔ میں نے جنوری ۱۹۶۰ء میں اس مقام کی زیارت کی ہے۔[49]

پھر مولانا ؒ ”خروج بنی اسرائیل “ کا نقشہ پیش کرتے ہیں اور اس نقشہ کی تفصیل بھی اسی نقشے کے نیچے واضح کرتے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل مارہ، ایلیم، المرخہ اور فاران رفیدیم کے راستے اس مقام پر پہنچے، جسے آج کل جبلِ موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں اور جس کا قدیم نام سینا ہے۔ اسی کا نام طور بھی ہے اور اسی کی وادی کو وادی مقدس طوی کہا گیا ہے۔ حمام فرعون وہ جگہ ہے جس کے متعلق آج تک جزیرہ نمائے سینا کے لوگوں میں یہ روایت پائی جاتی ہے کہ اسی جگہ فرعون کی لاش پانی میں تیرتی ہوئی ملی تھی۔ طور کے نام سے آج کل جو بندر گاہ جزیرہ نمائے سینا میں پائی جاتی ہے اس سے مراد کوہِ طور نہیں ہے بلکہ یہ طور کی بندر گاہ ہے۔ المرحہ اس علاقے کے سرے پر ہے جس کا نام بائبل میں ”بیابانِ سین“ لکھا ہے۔ یہیں سے من و سلویٰ کا نازل ہوا۔ رفیدیم کے قریب حورب کی وہ مشہور چٹان واقع ہے جس پر حضرت موسیٰؑ نے عصا مارا اور بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے۔ دشتِ تیہ وہ علاقہ ہے جس میں بنی اسرائیل چالیس سال تک بھٹکتے رہے۔ تیہ کے معنی بھٹکنے کے ہیں۔ یہ لفظ قرآن کی آیت "**فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ**"[50] سے ماخوذ ہے۔ عقبہ یا ایلہ، جن کا قدیم نام سیون جابر تھا، وہ مقام ہے جہاں عام روایات کے مطابق اصحاب السبت کا مشہور واقعہ پیش آیا۔[51]

گمراہ کن عقائد کی تردید اور عقائد اسلامیہ کی صداقت میں سابقہ صحفِ سمایہ سے استدلال

مولانا بائبل سے استدلال کرتے ہوئے عقائد کو واضح کرتے ہیں۔ عقیدہ تثلیث اور عقیدہ کفارہ وغیرہ پر بے مثل معلومات فراہم کرتے ہیں۔ عقائد کے سلسلے میں ایک مثال ملاحظہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ "**يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا**"[52] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہل کتاب سے یہاں مراد عیسائی اور غلو کے معنی ہیں کسی چیز کی تائید و حمایت میں حد سے گزر جانا۔ یہودیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مسیحؑ کے انکار و مخالفت میں حد سے گزر گئے اور عیسائیوں کا جرم یہ ہے کہ وہ مسیح کی عقیدت و محبت میں حد سے گزر گئے۔[53]

مولانا لفظ "كَلِمَتُهُ" کی تفہیم میں عیسائیت میں نظریہ الوہیت کی ترویج سے متعلق رقمطراز ہیں کہ حضرت مریمؑ کی طرف "کلمہ" بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کے رحم کو سپرم کے بغیر استقرارِ حمل کا فرمان جاری کیا اور یہی بات مسیحیوں کو بتائی گئی تھی لیکن انہوں نے یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر "کلمہ" کو پہلے نطق یا کلام کے ہم معنی سمجھ لیا اور اگلے مرحلہ میں اس کو اللہ کی صفتِ کلام سمجھ لیا۔ آخر کار اس قیاس نے پنجے گارڈ لیے کہ اللہ کی ذاتی صفتِ کلام کا بطنِ مریم سے ہو کر جسمانی صورت میں مسیح کی شکل میں ظہور ہوا۔ یہی وہ موڑ تھا جس پر الوہیت مسیح کے فاسد نظریہ نے جڑ پکڑ لی کہ اللہ تعالیٰ خود یا اپنی صفتِ کلام بطنِ مریم سے گزار کر مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا۔[54]

"رُوحٌ مِنْهُ" کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ یہاں خود مسیح کو "رُوحٌ مِنْهُ" یعنی اللہ کی طرف سے ایک روح کہا گیا ہے اور سورۃ البقرۃ میں اسی مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ "وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ"[55] یعنی ہم نے مسیح کی مدد کی پاک روح سے۔ دونوں کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے مسیحؑ کو وہ پاکیزہ روح عطا کی تھی جو بدی سے ناآشنا تھی۔ سراسر حقانیت اور راست بازی تھی اور از سر تا پا فضیلتِ اخلاق تھی۔ اور یہی تعریف آنجناب کی عیسائیوں کو بتلائی تھی۔ لیکن اس میں بھی انہوں نے غلو کیا، روح من اللہ کو عین روح اللہ قرار دیا اور روح القدس (Holy Ghost) کا مطلب یہ لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی پاک روح تھی جو مسیح میں حلول کر گئی تھی۔ لہٰذا اللہ اور مسیح کے ساتھ تیسرے خدا "روح القدس" کی ترویج شروع ہوئی جو مسیحیوں کے گمراہی میں مبتلا ہونے کا دوسرا بڑا غلو تھا۔ حالانکہ انجیل متی میں موجود ہے:

فرشتے نے اسے (یعنی یوسف نجار کو) خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد، اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر، کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے، وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔[56]

عقیدہ تثلیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسیحی ایک ہی وقت میں توحید اور تثلیث کو مانتے ہیں۔ عیسائیوں کے لیے اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ خدا ایک ہے اور توحید ہی اصل دین ہے لیکن انہوں نے کلام اللہ کے مسیح کی شکل میں ظہور اور روح اللہ کے ان میں حلول کر جانے کی غلط فہمی نے اللہ رب العزت کے ساتھ ساتھ مسیح اور روح القدس کو بھی الٰہ تسلیم کرنا لازم کر لیا۔ اب ان کے لیے یہ ناقابلِ حل مسئلہ درپیش ہے کہ توحید اور تثلیث دونوں کو ایک ساتھ کیسے نباہیں۔ اسی مسئلہ میں انہوں نے اٹھارہ سو برس سر کھپایا اور اسی مسئلہ کی مختلف تعبیرات پر بیسیوں فرقے بنے، کلیسا پر کلیسا جدا ہوتے چلے گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کی تکفیر کی۔ یہ مسئلہ خدا یا مسیح کا پیدا کردہ نہیں بلکہ ان کے غلو کا پیدا کردہ ہے۔ غلو چھوڑ کر مسیح اور روح القدس کی الوہیت کو تسلم کرنا ہی اس مسئلہ کا حل ہے۔ صرف الٰہ واحد کو خدا اقرار دیں اور مسیح کو اس کا رسول قرار دیں۔[57]

عقیدہ تثلیث کا ہی ایک اہم پہلو عقیدہ ابنیت ہے۔ عقیدہ ابنیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بائبل کے عہدِ جدید کی روایات اگر صحیح بھی ہوں تو ان سے (خصوصاً پہلی تین انجیلوں سے) زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ نے بندوں اور خدا کے تعلق کو اولاد اور باپ کے تعلق سے تشبیہ دی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسیح خدا کے لیے باپ بطور مجاز و استعارہ استعمال کرتے تھے۔ قدیم بنی اسرائیل خدا کے لیے باپ کا لفظ استعمال کرتے چلے آرہے تھے جس کی بے شمار امثلہ عہد نامہ قدیم میں موجود ہیں۔ اسی محاورے کو

حضرت مسیح نے استعمال کیا۔ انہوں نے خدا کو تمام انسانوں کا باپ کہا ہے لیکن مسیحیوں نے غلو کی بنا پر مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا کہ چونکہ مسیح خدا کے "کلمے" اور "اس کی روح" کا جسدی ظہور ہے اس لیے وہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس لیے بھیجا کہ وہ اپنے خون سے انسانوں کے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ یہ عقیدہ مسیحیوں کے لیے اپنے پیغمبر کی عظیم وشان شخصیت سے متاثر ہو کر غلو میں مبتلا ہو کر ان کے اپنے تخیلات کا آفریدہ ہے۔

اور "باپ" کا لفظ خدا کے لئے وہ محض مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہ تنہا مسیح ہی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ قدیم ترین زمانہ سے بنی اسرائیل خدا کے لئے باپ کا لفظ بولتے چلے آرہے تھے اور اس کی بکثرت مثالیں بائبل کے پرانے عہد نامہ میں موجود ہیں۔ مسیح نے یہ لفظ اپنی قوم کے محاورے کے مطابق ہی استعمال کیا تھا اور وہ خدا کو صرف اپنا باپ ہی نہیں بلکہ سب انسانوں کا باپ کہتے تھے۔ لیکن عیسائیوں نے یہاں پھر غلو سے کام لیا اور مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا قرار دیا۔ ان کا عجیب و غریب نظریہ اس باب میں یہ ہے کہ چونکہ مسیح خدا کا مظہر ہے اور اس کے کلمے اور اس کی روح کا جسدی ظہور ہے، اس لئے وہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے اور خدا نے اپنے اکلوتے کو زمین پر اس لئے بھیجا کہ انسانوں کے گناہ اپنے سر لے کر صلیب پر چڑھ جائے اور اپنے خون سے انسان کے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ حالانکہ اس کا کوئی ثبوت خود مسیح علیہ السلام کے کسی قول سے وہ نہیں دے سکتے۔ یہ عقیدہ ان کے اپنے تخیلات کا آفریدہ ہے اور اس غلو کا نتیجہ ہے جس میں وہ اپنے پیغمبر کی عظیم الشان شخصیت سے متاثر ہو کر مبتلا ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں کفارہ کے عقیدے کی تردید نہیں کی ہے، کیونکہ عیسائیوں کا یہ مستقل عقیدہ نہیں ہے بلکہ مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینے کی ایک صوفیانہ و فلسفیانہ توجیہہ ہے کہ جب مسیح خدا کا اکلوتا تھا تو وہ صلیب پر چڑھ کر لعنت کی موت کیوں مرا۔ لہٰذا اس عقیدے کی تردید خود بخود ہو جاتی ہے اگر مسیح کے ابن اللہ اور صلیب دیے جانے سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کر دیا جائے۔[58]

سورۃ المائدۃ کی آیت ۷۷ کے تحت لکھتے ہیں:

مسیح کے ابتدائی پیرو جو عقائد رکھتے تھے وہ وہی تھے جس کی انہوں نے اپنے ہادی و رہنما سے تعلیم لی تھی لیکن بعد کے مسیحیوں نے ہمسایہ اقوام کی فلسفیانہ تعبیرات اور مسیح کی عقیدت و تعظیم میں غلو کرتے ہوئے ایسا دین تشکیل دے لیا جس کا تعلیماتِ مسیح سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مسیحی عالم دینیات ریورینڈ چارلس اینڈرسن اسکاٹ نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے چودھویں ایڈیشن میں اپنے مضمون "یسوع مسیح" (Jesus Christ) میں اس مسئلہ کی خوبصورت وضاحت کی ہے:

> پہلی تین انجیلوں متی، مرقس اور لوقا کے کسی بھی بیان سے گمان نہیں ہو سکتا کہ ان کے مصنفین مسیح کو انسان کے علاوہ کچھ سمجھتے تھے۔ وہ مسیح کو خدائی روح سے فیض یاب ہونے والا اور خدا سے غیر منقطع تعلق رکھنے والا شخص تصور کرتے تھے جس بنا پر انہیں خدا کا بیٹا کہا جائے تو حق بجانب ہے۔ متی نے ان کا ذکر بڑھئی کے بیٹے کی حیثیت سے کرایا ہے۔ یسوع مسیح کی موت کے انسانوں کے گناہ اور اس کے کفارہ کی طرف کہیں اشارہ تک نہیں ہے۔[59]

آگے چل کر وہ پھر کہتا ہے:

اناجیل بتاتی ہیں کہ یسوع بچپنے سے جوانی تک عام فطری ذہنی و جسمانی نشو کے مدارج سے گزرا۔ بھوک، پیاس، تھکاوٹ، نیند، حیرت اور دریافتِ احوال کا محتاج تھا۔ اس نے اپنے سمیع و بصیر ہونے کی صریحاً نفی کی ہے۔ خدا سے بے نیاز خود مختارانہ کام کی بجائے خدائے بزرگ و برتر سے بار بار دعا مانگنے اور خدا پر انحصار و اقرار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مسیح کی اپنے آپ کو خدا سمجھنے کی کوئی شہادت اناجیل میں موجود نہیں ہے۔[60]

مسیحی علماء کے بیانات واضح کرتے ہیں کہ مسیحیوں کو مسیح کی عقیدت و محبت میں غلو نے گمراہ کیا۔ اُن کے لیے خداوند اور ابن اللہ کے الفاظ استعمال ہوئے۔ خدائی صفات اُن سے منصوب کر کے عقیدہ کفارہ ایجاد کیا گیا جس کی کوئی گنجائش تعلیماتِ مسیح میں نہیں تھی۔ فلسفیانہ موشگافیوں میں پڑھنے سے عقیدے پر عقیدہ ایجاد کرتے چلے گئے۔ اسی ضلالت پر قرآن نے اِن آیات میں مسیحیوں کو متنبہ فرمایا ہے۔[61]

قرآن اور سابقہ صحفِ سمایہ سے تقابل کے ذریعے قرآنی الفاظ کی اہمیت و فوقیت

سید مودودیؒ اکثر مقامات پر قرآنی آیات سے تقابل کر کے قرآن کی حقانیت واضح کرتے ہیں۔ قصہ آدم و ابلیس کے تقابل کے متعلق لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں آدم کی پیدائش اور ابتدائے نوع انسانی کا یہ واقعہ سات مقام پر آیا ہے۔ بائبل کی کتاب پیدائش کے پہلے تین ابواب میں بھی یہ قصہ بیان ہوا ہے لیکن دونوں کتب کا تقابل کرنے والا صاحبِ نظر ہی دونوں میں فرق محسوس کر سکتا ہے۔[62] پھر بائبل سے مکمل قصہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> بائبل اور قرآن کے بیانات کو ذرا وہ لوگ بالمقابل رکھ کر دیکھیں جو یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ قرآن میں یہ قصص بنی اسرائیل سے نقل کر لیے گئے ہیں۔[63]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت ابراہیمی کے عراقی دور کی تفصیلات کا تلمود کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مگر دونوں کا موازنہ کرنے سے نہ صرف یہ کہ قصے کے اہم اجزاء میں بیّن تفاوت نظر آتا ہے بلکہ ایک شخص صریح طور پر یہ محسوس کر سکتا ہے کہ تلمود کا بیان بکثرت بے جوڑ اور خلاف قیاس باتوں سے بھرا ہوا ہے اور اس کے برعکس قرآن بالکل منقح صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہم واقعاتِ زندگی کو پیش کرتا ہے۔[64]

آیت مبارکہ "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ"[65] کی تفسیر کرتے ہوئے سید مودودیؒ حضرت یوسفؑ کے صبر کا تقابل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ بائبل اور تلمود یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے تاثر کا نقشہ بھی کچھ ایسا کھینچتی ہیں جو کسی عام والد کے تاثرات سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔ بائبل کا بیان یہ ہے:

> تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لئے ماتم کرتا رہا۔[66]

تلمود کا بیان ہے کہ یعقوب بیٹے کا قمیص پہچانتے ہی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر زور سے چیخا کہ ہاں یہ میرے بیٹے ہی کا قمیص ہے۔۔۔اور وہ سالہا سال تک یوسف کا ماتم کرتا رہا۔ اس نقشے میں حضرت یعقوب علیہ السلام وہی کچھ کرتے دکھائی دیتے ہیں جو ہر باپ ایسے موقع پر کرے گا۔ لیکن قرآن کے پیش کردہ نقشہ سے ہمارے سامنے ایک ایسے غیر معمولی انسان کی تصویر آتی ہے جو کمال درجہ بردبار و باوقار ہے، اتنی بڑی غم انگیز خبر سن کر بھی دماغی توازن نہیں کھوتا۔ اپنی فہم و فراست سے معاملہ

کی ٹھیک ٹھیک نوعیت کو بھانپ جاتا ہے کہ یہ حاسد بیٹوں کا ڈرامہ ہے لیکن پھر بھی عالی ظرف انسان کی طرح صبر کرتا ہے اور خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔[67]

حضرت موسیٰؑ کے کوہ طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا سامری نے بنایا لیکن بائبل کہتی ہے کہ ہارون نے بنایا۔ سید مودودیؒ قرآنی موقف کی توضیح میں لکھتے ہیں کہ ان کو نظر نہیں آتا کہ بائبل اپنی غلط بیانی خود فاش کرتی ہے کہ اس باب کے آخر میں حکمِ الٰہی سے تین ہزار گوسالہ جیسے گناہِ عظیم کے مرتکبین کو مومنین نے خود اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تو اگر ہارون خود اس جرم کے بانی تھے تو وہ کیسے بچ یا چھوڑ دیے گئے۔ پھر یہ بھی مندرج ہے کہ موسیٰؑ نے خدا کے حضور جا کر دعا کی کہ اب بنی اسرائیل کا گناہ معاف کر دے ورنہ میرا نام اپنی کتاب میں سے مٹا دے۔ اللہ نے جواباً کہا کہ جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اسی کا نام اپنی کتاب میں سے مٹاؤں گا۔[68] لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارونؑ کا نام نہ مٹایا گیا بلکہ ان کو اور ان کی ذریت کو بنی اسرائیل میں بزرگ ترین منصب یعنی بنی لاوی کی سرداری اور مقدس کی کہانت سے سرفراز کیا گیا۔[69] کیا بائبل کی یہ اندرونی شہادت خود اس کے اپنے سابق بیان کی تردید اور قرآنی بیان کی تصدیق نہیں کر رہی ہے؟[70]

اجمالِ قرآن کی سابقہ صحفِ سمایہ سے تفصیل

قرآن کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے سید مودودی قرآن کے مجمل مقامات کی بائبل سے تفصیل پیش کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ "وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ"[71] (ان دو قیدیوں میں سے رہا ہونے والے کو مدت بعد یاد آگیا اور کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا، مجھے جانے کی اجازت دیجئے) کی تشریح میں سید مودودیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے۔ بائبل اور تلمود سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے (اور قیاس بھی کہتا ہے کہ ضرور ایسا ہو گا) کہ سردار ساقی نے یوسفؑ کے حالات بادشاہ سے بیان کیے اور جیل میں اس اور اس کے ساتھی کے خواب کی جیسی صحیح تعبیر انہوں نے دی تھی، اس کا ذکر بھی کیا اور کہا کہ میں ان سے اس کی تاویل پوچھ کر آتا ہوں۔ مجھے قید خانہ میں ان سے ملاقات کی اجازت عطا کی جائے۔[72]

آیت کریمہ "إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ"[73] کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے اس اشارے کو آدمی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ ایک طرف بائبل کے ان مقامات کو نہ دیکھے جہاں سبت کے احکام بیان ہوئے ہیں (مثلاً خروج ۸: ۲۰-۱۱؛ ۲۳: ۱۳، ۱۲؛ ۳۱: ۱۲-۱۷؛ ۳۵: ۲، ۳؛ گنتی ۱۵: ۳۲-۳۶) اور دوسری طرف ان جسارتوں سے واقف نہ ہو جو یہودی سبت کی حرمت کو توڑنے میں ظاہر کرتے رہے (مثلاً ملاحظہ ہو: یرمیاہ ۱۷: ۲۱-۲۷؛ حزقی ایل ۲۰: ۱۲-۲۴)۔[74]

فرمانِ الٰہی "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى"[75] کی وضاحت کرتے ہوئے من سلوی کے نزول کا مقام، نزول کی کیفیت اور من و سلویٰ کی الگ الگ وضاحت کرتے ہوئے استعمال کا طریقہ خروج ۱۶: ۱۳-۳۱؛ گنتی ۱۱: ۸-۹ سے تفصیلاً وضاحت کرتے ہیں۔[76]

ملکہ بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ قومِ سبا کی طرف قرآنی اشارات [77] کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ معلومات بھی ہماری نگاہ میں رہیں جو اس قوم کے متعلق دوسرے تاریخی ذرائع سے فراہم ہوئی ہیں۔ [78]

حقائق وواقعات کی تعیین میں سابقہ صحفِ سماویہ سے استدلال

سید مودودی حقائق و واقعات کی تعیین کے لئے بائبل سے اخذ و استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً آیتِ مبارکہ "لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ"[79] کی وضاحت کرتے ہوئے قوم اور محل وقوع کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن کے ارشادات اور بائبل کی تصریحات سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم موجودہ سرزمین عراق میں رہتی تھی۔ بابل کے آثار سے ملنے والے کتبات پر ایک قصہ جس کی قرآن و بائبل دونوں سے تائید ہوتی ہے، مذکور ہے اور جائے وقوع موصل کے آس پاس کے علاقے ہیں۔ کردستان اور آرمینیہ میں زمانہ قدیم سے نسل در نسل روایات بھی تائید میں ہیں کہ کشتی نوح اسی مقام پر ٹھہری تھی۔ قصہ نوح سے ملتے جلتے واقعات ، قدیم لٹریچر اور روایات یونان، مصر، چین، ہندوستان، برما، ملایا، جزائر شرق الہند، نیو گنی، آسٹریلیا، امریکہ و یورپ کے مختلف حصوں میں چلے آرہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب پوری نسل انسانی ایک ہی خطہ زمین میں رہتی تھی اور پھر وہاں سے نکل کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلی۔ [80]

آیتِ کریمہ "وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ"[81] میں سید مودودیؒ ہدہد کے اس قول کے معانی کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہدہد کا یہ بیان کہ ''میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں'' یہ معنی نہیں رکھتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سبا سے ناواقف تھے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین و شام کے جس فرمانروا کی سلطنت بحرِ احمر کے شمالی کنارے (خلیج عقبہ) تک پہنچی ہوئی تھی وہ اسی بحر احمر کے جنوبی کنارے (یمن) کی ایک ایسی قوم سے ناواقف نہ ہو سکتا تھا جو بین الاقوامی تجارت کے ایک اہم حصے پر قابض تھے۔ علاوہ ازیں زبور سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے بھی پہلے ان کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام سبا سے واقف تھے۔ ان کی دعا کے یہ الفاظ زبور میں ہمیں ملتے ہیں:

اے خدا، بادشاہ (یعنی خود حضرت داؤد علیہ السلام) کو اپنے احکام اور شاہزادے (یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام) کو اپنی صداقت عطا فرما۔۔۔ ترسیس اور جزیروں کے بادشاہ نذریں گزرائیں گے۔ سبا اور شیبا (یعنی سبا کی یمنی اور حبشی شاخوں) کے بادشاہ ہدیے لائیں گے۔ [82]

اس لئے ہدہد کے قول کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم سبا کے مرکز میں جو چشم دید حالات میں دیکھ کر آیا ہوں وہ ابھی تک آپ کو نہیں پہنچے ہیں۔ [83]

خلاصۃ البحث

برّ صغیر پر برطانوی حکومت کے زمانہ میں مسیحی سکالرز نے اسلام پر تابڑ توڑ حملے کیے اور مسلم کمیونٹی کو مسیحیت کی طرف راغب و مجبور کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اس دور میں نہ صرف مسلمانوں کو دینِ اسلام پر صدقِ دل سے کاربند رکھنے بلکہ اہلِ مسیح کو دعوتِ اسلام

کی غرض سے مختلف اہلِ علم نے قرآن کی تفاسیر لکھیں، جس میں انہوں نے سابقہ صحفِ سماویہ کو بطور مصدرِ تفسیر اپنایا، جس میں مسیحی مبشرین کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کی انہیں کی کتب سے استدلال کرتے ہوئے تردید کی اور قرآنی سچائیوں کو واضح کیا۔ ان تفاسیر میں ایک اہم تفسیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر "تفہیم القرآن" ہے۔ تفہیم القرآن کا اسلوب زیادہ تر دعوتی ہے جس میں سید مودودیؒ نے لوگوں کی فکری اصلاح کرتے ہوئے عصری فتنوں کا مقابلہ کیا۔ سید مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں یہ منہج اختیار کیا کہ نوجوان نسل کے قلوب واذہان میں جو شکوک و شبہات اور الجھنیں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا جائزہ لے کر جوابات مہیا کیے جائیں۔ سید مودودیؒ قرآنی قصص پر اعتراض کہ یہ روایات یہود و نصاریٰ سے ماخوذ ہیں، بڑی تفصیل سے قرآن اور سابقہ صحفِ سمایہ کا تقابل کر کے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن ان کتب سے ماخوذ نہیں بلکہ ان کی تصحیح کرتا ہے۔ سید مودودیؒ تثلیث، ابنیت اور کفارہ جیسے عقائد کا مضبوط دلائل سے نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ قرآن اور سابقہ صحفِ سمایہ کی روایات کا تقابل پیش کر کے قرآنی فوقیت کو واضح کرتے ہیں۔ سید مودودیؒ کو ایک یہ بھی فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے قرآن مجید میں بیان کردہ مقامات کو بچشم خود دیکھا۔ تین ماہ کے اس سفر میں سابقہ قوموں کے حالات و واقعات، قیام گاہوں اور عذاب کے اثرات کی جزئیات کی طرف راہنمائی حاصل کی اور یہ سب انہوں نے اپنی تفسیر کا حصہ بنایا، جس سے واقعات کا پس منظر اور محل وقوع واضح کیا اور ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کے واقعات کے تعین میں سابقہ صحفِ سمایہ سے بھی اخذ و استدلال کیا۔ انہوں نے قرآنی اختصار کو سابقہ صحفِ سمایہ سے مفصل کیا اور قرآنی آیات کو سابقہ صحف سے تقابل کرتے ہوئے قرآنی آیات کی اہمیت و فوقیت کو واضح کیا اور بادلائل حقیت عیاں کی تاکہ تشکیک زدہ ذہن عقائدِ اسلامیہ پر مضبوطی سے کاربند رہ سکیں اور اہلِ کتاب اسلام کی طرف مائل ہو سکیں۔

References

[1]۔ فضل الٰہی قریشی، تذکرہ سید مودودیؒ (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۲

Fazal Elāhi Quraishi, *Tazkirah Sayed Maudūdī* (Lahore: Adara Ma'ārif e Islāmi, 1993), P.12

[2]۔ ڈاکٹر اسحاق، ماہنامہ: معاشرتی علوم، کراچی، جولائی ۲۰۰۴ء، ص ۳۴

Dr. Is'haq, Mah'namah: *Muāsharti Uloom,* Karachi, July 2004, P.34

[3]۔ پروفیسر محمد نسیم عثمانی، اردو میں تفسیری ادب (کراچی: عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ، ایس ٹی ۱۰، ۵، گلشن اقبال، ۱۹۹۴ء)، ص ۳۶۰۔۳۶۲

Prof. Muhammad Naseem, *Urdu main Tafsīri Adab* (Karachi: Usmania Academic Trust, 1994), PP.360-362

[4]۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۸ء)، ۱، ۵

Maolana Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* (Lahore: Adarah Tarjaman ul Qur'ān, 1988), Vol.1, P.5

[5]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱؍۶

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.6

[6]۔رفیق ڈوگر، مولانا مودودی سے ملاقاتیں (لاہور: دید شنید پبلی کیشنز)، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۳

Rafiq Dogar, *Maolana Maudūdī se Mulaqaten* (Lahore: dīd Shanīd Publications, 1983), P.123

[7]۔ہفت روزہ "آئین"، تفہیم القرآن نمبر، ۱۵ دسمبر ۱۹۷۲ء، ص ۵۷

Hafat Roza *"Āa'īn" Tafhīm ul Qur'ān Number,* 15 December 1972, P.57

[8]۔ڈاکٹر خالد علوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بحیثیت مفسر (اسلام آباد: ششماہی "فکر و نظر")، جون ۱۹۹۹ء، ص ۲۶۴

Dr. Khalid Al'vi, *Maolana Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī Beh'siat Mufassir,* Shashmahi Fikar o Nazar, June 1999, P.264

[9]۔مولانا عامر عثمانی، تفہیم القرآن پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں (کراچی، مکتبہ الحجاز، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۷۱

Maolana Amir Usmani, *Tafhīm ul Qur'ān par Itrazat ki Ilmi Kamzorian* (Karachi: Maktabah Al-Hijaz, 2001), P171

[10]۔ڈاکٹر چارلس جے ایڈمز، ابوالاعلیٰ مودودیؒ: علمی و فکری مطالعہ (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۹۲

Dr. Charlis J. Ad. Abū Āl Ā'la Maudūdī: Ilmi wa Fikri Mutalia (Lahore: Adara Ma'ārif e Islāmi, 2006), P.192

[11]۔آلِ عمران ۳:۳

Āl Imran 3:2

[12]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۱/۲۳۱۔۲۳۲

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.231-232

[13]۔النساء ۴: ۱۶۳

An-Nisa 4:136

[14]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۱/۴۲۴۔۴۲۵

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.424-425

[15]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۱/۴۲۵

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.425

[16]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳/۱۸۲

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.182

[17]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۱/۴۸۸

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.488

[18]۔البقرہ ۲: ۷۵

Al-Baqarah 2: 75

[19]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۱/۸۷

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.87

[20] ـالبقرہ۲:۷۹

Al-Baqarah 2: 79

[21] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱/۸۹

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.89

[22] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۱۸۱

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.181

[23] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۴/۵۴۲

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.4, P.542

[24] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۲/۳۹۶

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.396

[25] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۲/۳۹۷

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.397

[26] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۱۷۱

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.171

[27] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۱۳۶

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.136

[28] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۱۷۱ـ۱۷۲

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.171-172

[29] ـالقصص۲۸:۲۲

Al Qasas 28: 22

[30] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۶۲۵ـ۶۲۶

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.625-626

[31] ـالقصص۲۸:۲۷

Al-Qasas 28: 27

[32] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۶۳۰ـ۶۳۱

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.630-631

[33] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۶۳۱

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.631

[34] ـخروج۴:۱ـ۱۳

Bible, Exodus 4: 1-13

[35] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۹۵

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.95

[36] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۵۶۴ـ۵۶۵

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.564-565

[37] ـسیدابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۲/۳۹۶

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.396

38۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳/۳۶۔۳۷

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.36-37

39۔ظفر اقبال احمد، مولانا مودودیؒ ایک صاحبِ طرز نثر نگار، فیصل آباد، قرطاس، پوسٹ بکس ۲۵، ۲۰۰۸ء، ص ۱۴۸۔۱۴۹

Zafar Iqbal Ahmad, *Maolana Maudūdī Aik Sahib e Tarz Nasar Nigar,* (Faisalabad: Qirtas, 2008), PP.148-149

40۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳/۳۰۸

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.308

41۔طٰہٰ ۲۰: ۸۵

Tāha 20: 85

42۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳/۱۱۳۔۱۱۴

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.113-114

43۔ا۔سلاطین ۱۶: ۲۳

Bible, 1-Kings 16: 23

44۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳/۱۱۳۔۱۱۴

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.113-114

45۔محمد عاصم، سفر نامہ ارض القرآن، لاہور، صومی پبلی کیشنز لمیٹڈ، شاہ عالم مارکیٹ، ۱۹۷۴ء، ص ۴۴۸۔۴۴۹

Muhammad Asim, *Safar Nama Araz ul Qur'ān* (Lahore: Saomi Publications, 1974), PP.448-449

46۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا مودودی کی تقاریر، لاہور، اسلامی پبلی کیشنز، ۱۹۷۶ء، ص ۱/۹۱۔۹۲

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Maolana Maudūdī ki Taqarīr,* (Lahore: Islami Publications, 976), Vol.1, PP.91-92

47۔الاعراف ۷: ۱۴۲

Al- Ā'raf 7: 142

48۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۲/۷۶۔۷۷

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.76-77

49۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳/۵۵۸

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.558

50۔المائدہ ۵: ۲۶

Al-Mā'idah 5:26

51۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۲/۷۷۔۷۸

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.77-78

52۔النساء ۴: ۱۷۱

An-Nisa 4:171

53۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۱/۴۲۷۔۴۲۸

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.427-428

54۔سید مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۱/۴۲۸

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.428

[55]۔البقرہ۲:۸۷

Al-Baqarah 2:87

[56]۔متی۱:۲۰؛سید مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱/۴۲۸

Bible, Matthew 1: 20; Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.428

[57]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱/۴۲۸۔۴۲۹

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.428-429

[58]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱/۴۲۹۔۴۳۱

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.429-431

[59]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱/۴۹۱۔۴۹۲

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.491-492

[60]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱/۴۹۳

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.493

[61]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱/۴۹۵

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.495

[62]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۱/۷۰

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.1, P.70

[63]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۱۳۶

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.136

[64]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۱۷۱

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.171

[65]۔یوسف ۱۲:۱۸

Yousaf 12: 18

[66]۔پیدائش ۳۷:۳۴

Bible, Genesis 37: 34

[67]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۲/۳۸۹۔۳۹۰

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.389-390

[68]۔خروج ۳۲:۲۵۔۳۵

Bible, Exodus 32: 25-35

[69]۔گنتی ۱۸:۵۔۷

Bible, Numbers 18: 5-7

[70]۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن،۳/۱۱۷۔۱۱۸

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.117-118

[71]۔یوسف ۱۲:۴۵

Yousaf 12:45

72۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۲، ۴۰۶

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.406

73۔ النحل ۱۶: ۱۲۴

An-Nahal 16:124

74۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۲، ۵۸۱

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.581

75۔ طٰہٰ ۲۰: ۸۰

Tāha 20:80

76۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳، ۱۱۱۔۱۱۲

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.111-112

77۔ سبا ۳۴: ۲۱

Saba 34:21

78۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۴/ ۱۹۵

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.4, P.195

79۔ الاعراف ۷: ۵۹

Al-A'raf 7:59

80۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۲/ ۴۰۔۴۱

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.2, P.40-41

81۔ النمل ۲۷: ۲۲

An-Namal 27:22

82۔ زبور ۷۲: ۱۔۱۱

Bible, Psalm 72: 1-11

83۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳/ ۵۶۹

Syed Abū Āl Ā'la Maudūdī, *Tafhīm ul Qur'ān,* Vol.3, P.569